كلمة المدير

ضمیر کی خلش

دنیا کے تمام مذاہب عقائد میں اختلافات کے باوجود ایک نکتہ پر بہرحال متفق ہیں۔ کہ وہ اپنے ماننے والوں کو اخلاقیات کا درس ضرور دیتے ہیں مثلاً کسی کو دکھ نہ دینا، زیادتی نہ کرنا، گالی گلوچ سے بچنا، غصہ نہ کرنا جھوٹ نہ بولنا وغیرہ۔ یہ اخلاقی قدریں دراصل ہر مذہب کی پہچان اور کشش کا باعث ہیں۔ دوسروں کے حقوق کا تحفظ اور حسن سلوک کا مظاہرہ مذہب کی اعلیٰ روایات کا حصہ ہیں۔

یوں تو جرائم کی دنیا میں انتہائی گھناؤنے جرم بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں جھوٹ کو ہمیشہ بڑا جرم قرار دیا گیا۔ ہر تہذیب میں اس کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ اسلام نے جھوٹے پر لعنت کی ہے۔ ''لعنۃ اللہ علی الکاذبین''۔

جھوٹ دراصل بہت سی برائیوں کو جنم دیتا ہے۔ بددیانتی اور خیانت، تفرقہ بندی اور انتشار جھوٹ کی بدولت پروان چڑھتے ہیں۔ جھوٹ ہی دھوکہ اور فریب کاری کا اصل ذریعہ ہے۔ بداعتمادی اور بدگمانی کا اصل سبب جھوٹ ہے۔ مطلب پرستی اور خودغرضی جھوٹ کے ذریعے ممکن ہے۔

دنیا میں اس وقت اگرچہ بعض معاشرے مذہب کے ساتھ وابستہ نہیں ہیں۔ لیکن ان کے نزدیک بعض اخلاقی قدریں بڑی مضبوط ہیں جن میں جھوٹ سے نفرت سرفہرست ہے۔ ان کے نزدیک عریانی، فحاشی، بدکاری چوری کی کوئی اہمیت نہیں۔ لیکن جھوٹ بڑا جرم تصور ہوتا ہے۔ ان کے ہاں یہ تصور ہے کہ انسان جھوٹ نہیں بول سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی بھی اجنبی سے معاملہ کرتے وقت صاف گوئی اور سادگی کا مظاہرہ کریں گے۔ اور دوسروں پر اندھا اعتماد کریں گے۔ اگر ان کے اعتماد پر کوئی نہ اترے یا غلط بیانی ثابت ہو جائے۔ تو ان کا ردعمل بھی انتہائی شدید ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اس شخص سے مقاطعہ کرتے ہیں بلکہ اس کے قبیل یا ہم وطن سے بھی ناطہ توڑ لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جھوٹ بولنے والے کا بڑی سختی سے محاسبہ کیا جاتا ہے۔ اور اسے نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور آئندہ کیلئے کسی اعلیٰ عہدے کیلئے نااہل قرار دے دیا جاتا ہے۔

جاپان میں جھوٹ بولنے پر کئی وزیراعظم سبکدوش کئے گئے اور وہ ہمیشہ کیلئے پس منظر میں چلے گئے۔ امریکہ سمیت بعض یورپی ممالک میں بھی اس کی کئی نظیریں ملتی ہیں۔

عراق پر امریکی و برطانوی حملے میں جو وجوہات بیان کی گئی تھیں وہ بے نقاب ہو رہی ہیں۔ اور دنیا اس کی حقیقت سے آگاہ ہو چکی ہے۔ اور صدر بش کا جھوٹ کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ اس نے امریکی عوام کو دھوکہ دیا۔ فرضی اور من گھڑت واقعات تراشے جس بنا پر عراق کے خلاف کاروائی کی گئی۔ ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں اور اربوں ڈالر صرف کئے گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ضمیر کی خلش نے بعض اہم ذمہ داران کو سچ اگلنے پر مجبور کر دیا۔ ان میں امریکہ کی سب سے بڑی خفیہ ایجنسی .C.I.A کے سربراہ جارج ٹینٹ نے کھلے عام پریس کانفرنس میں اعتراف کیا ہے کہ اس نے امریکی صدر کو غلط معلومات فراہم کیں۔ اور اس کو بنیاد بنا کر عراق پر یکطرفہ حملے کا حکم صادر کیا گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ صدر بش بھی حقیقت حال سے واقف تھے انہیں معلوم تھا کہ اب عراق کے پاس مہلک ہتھیار نہیں ہیں۔ اسی طرح برطانوی وزیراعظم نے بھی عراق کے خلاف بیانات دیئے اور واقعات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ جس کی حقیقت برطانوی مفتش ڈاکٹر ڈیوڈ کیلی نے کھول دی جو عرصہ دراز سے عراق میں بطور اسلحہ انسپکٹر کام کر چکا ہے۔ چونکہ گھر کی گواہی برطانوی وزیراعظم کیلئے انتہائی مہلک تھی۔ لہٰذا اسے چند روز بعد قتل کر دیا گیا۔ اور واقعہ کو خودکشی کا رنگ دیا گیا۔

امریکہ اور برطانیہ میں آہستہ آہستہ یہ آواز زور پکڑ رہی ہے۔ کہ امریکی صدر اور برطانوی وزیراعظم کا جھوٹ بولنے پر مواخذہ کیا جائے۔ اور اضطراب کی یہ کیفیت بہت جلد رنگ لانے والی ہے۔ ذرائع ابلاغ میں بھی ان کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور دونوں لیڈر شدید تنقید کی زد میں ہیں۔ اسی وجہ سے اب امریکی صدر نے جھنجلاہٹ میں یہ کہہ دیا ہے کہ عراق کا معاملہ ختم ہو گیا ہے۔ حالانکہ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ یہی اس کا نکتہ آغاز ہے کسی قوم کو بلا جواز گھر سے بے گھر کرنا، اس کی شناخت کو ختم کرنا ان کی معیشت کو تباہ کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ اور اسے اتنی جلدی طاق نسیان میں رکھنا اتنا آسان نہیں ہے۔

امریکی صدر کو ہر حال میں اس کا جواب دینا ہوگا۔ عراق پر فوجی کاروائی کا آخر کیا جواز تھا؟ جھوٹ کا پول کھل چکا ہے۔ اور امریکی صدر اور برطانوی وزیراعظم پورا بے میں بے لباس ہو چکے ہیں۔ دیکھتے ہیں جمہوریت پسند اور انسانی حقوق کے علمبردار عوام ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ اور کس حد تک ان کا محاسبہ کرتے ہیں۔

امریکی صدر کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہ راسخ العقیدہ عیسائی ہیں اور سختی سے اس پر عمل پیرا ہیں۔ جھوٹ کے بارے میں یسوع مسیح کی تعلیمات بڑی واضح ہیں۔ لہٰذا صدر بش خود کو احتساب کیلئے پیش کر دینا چاہئے اور ہزاروں انسانوں کو ہلاک کرنے اور اربوں ڈالر کے ضائع کرنے پر اعتراف جرم کرنا چاہئے۔ امریکہ کی ایک اہم خفیہ ایجنسی نے صدر بش سے نائب صدر ڈک چینی کے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا ہے۔ چونکہ عراق پر حملہ کرانے میں اس نے سب سے زیادہ امریکی صدر کو اکسایا تھا۔

امریکی وزارت خارجہ کے بیورو آف انٹیلی جنس کے سابق سربراہ گریکری نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وائٹ ہاؤس پر الزام لگایا ہے۔ کہ انہوں نے صدام کے خطرے کے بارے میں سفید جھوٹ بولتے ہوئے امریکی قوم کو دھوکہ دیا ہے۔ اور اس واقعے کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ امریکی قیادت ایجنسیوں کو مخصوص مفادات کیلئے استعمال کر رہی ہیں۔

اس اخلاقی مات اور کھلے عام جھوٹ بولنے کے جرم میں انہیں از خود منظر سے غائب ہونا چاہئے تھا لیکن کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق اب وہ اس سفید جھوٹ کی تاویلیں کر رہے ہیں۔ اور بڑی بے شرمی اور ڈھٹائی سے اپنے غیر ذمہ دارانہ اقدام کو درست قرار دے رہے ہیں۔ اور ایک جھوٹ پر پردہ ڈالنے کیلئے مزید جھوٹ تراشے جا رہے ہیں۔ اب یہ کہا جا رہا ہے کہ مہلک ہتھیاروں کو تلف کرنے کے ساتھ عراقی عوام کو صدام کے ظلم سے

نجات دلانے آئے ہیں عجیب منطق ہے۔ کہ اگر یہی کام فلسطین میں حماس افغانستان میں طالبان اور کشمیر میں مجاہدین کریں تو مجرم ... اور اگر خود اتحادی لشکر کے ساتھ کسی ملک کی آزادی کو پامال کریں تو اس کیلئے اخلاقی وقانونی جواز تلاش کئے جاتے ہیں۔

ہم یہاں ان کے حمایتی ممالک کے سربراہان سے بھی عرض کریں کہ آخرانہوں نے کس وجوہات کی بناء پر امریکی جارحیت کو درست تسلیم کرتے ہوئے حمایت کی تھی اب جبکہ حقائق واضح ہورہے ہیں انہیں بھی اپنے کئے پر شرمندگی کا اظہار کرنا چاہئے جنہوں نے بغیر تحقیق امریکی ہاں میں ہاں ملائی اور اپنا وزن امریکی پلڑے میں ڈالا۔ ہر ملک کی اپنی خفیہ ایجنسیاں ہیں آخران کی کارکردگی کیا ہے؟ اب مزید ایسی حماقتوں سے بچنا چاہئے حالات کا گہری نظر سے جائزہ لینا چاہئے حال میں جنرل پرویز مشرف عراق میں پاک فوج کے دستوں کو بھیجنے کی بات کررہے ہیں ان حالات میں عراق میں فوج کو بھیجنا دلدل میں پھنسانے کی بات ہے۔ جھوٹے اور دھوکے باز قبضہ گروپ کی کاروائی کو اخلاقی جواز فراہم کہاں کی عقل مندی ہے؟ یہ کالک اب امریکی صدر اور اس کی فوج کے چہرے پر ہمیشہ کیلئے لگ چکی ہے۔ جس کو کوئی صاف نہیں کرسکتا۔ عراقی عوام اب امریکیوں سے آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ روزانہ تین چار امریکی عراقیوں کی نفرت کا شکار ہورہے ہیں۔ اور اس کاروائی میں تیزی آرہی ہے۔ ایسی صورت میں آ بیل مجھے مار کے مصداق نہیں بننا چاہئے۔

امریکی صدر اپنے جھوٹ اور مکروفریب کے جال میں پھنس چکے ہیں اور بہت جلد اپنے انجام سے دوچار ہونگے۔ ابھی بہت سے لوگ ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہونگے اور سنسنی خیز انکشافات کریں گے، تاریخ ایسے کرداروں کو کبھی معاف نہیں کرتی۔

آزادی کے ثمرات

ایک طویل جدوجہد کے بعد 14 اگست 1947 کو مسلمانان ہند ایک آزاد اسلامی ریاست کے قیام میں کامیاب ہوئے۔ دوسو سالہ غلامانہ زندگی بسر کرنے کے بعد آزادی کی نعمت سے سرفراز ہونے والی یہ قوم آج بھی اپنی گردن غلامی کے طوق سے نہ چھڑا سکی۔ بظاہر ایک آزاد مملکت میں سکونت پذیر ہیں۔ اور آزاد فضا میں سانس لیتے ہیں لیکن ان کی بودوباش نظام تعلیم وتربیت، نظام مالیات، ان کی معیشت، نظام عدل وانصاف، داخلہ و خارجہ پالیسیاں، غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ اور پوری قوم آزادی کے ثمرات سے محروم ہے۔ مجبورولاچار ایسے لوگوں کی دست نگر میں ہیں جو اپنے آقاؤں کی آشیرباد حاصل کرنے کیلئے اس قوم کو مزید غلامی کے اندھیروں میں دھکیلنے کیلئے سرگرداں ہیں۔ چھپن سال بیت چکے ہر سال جشن آزادی پورے سرکاری اور نیم سرکاری اہتمام کے ساتھ منایا جاتا ہے، چراغاں ہوتا ہے، آزادی پر خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ سیمینار اور کانفرنسیں منعقد ہوتے ہیں۔ جلوس نکالے جاتے ہیں۔ اور قوم کو صرف یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ہم آزاد ہیں۔ مگر کیا آزادی کے حقیقی فوائد سے یہ قوم سرفراز ہوئی؟ کیا آزادی اسی کا نام ہے کہ ہم نے ہندوستان سے علیحدگی اختیار کرلی تو ہم آزاد ہوگئے۔ مسلمان صدر، وزیراعظم اور چیف آف آرمی سٹاف مل گئے تو آزادی مل گئی۔ انگریزی نظام تعلیم کا تسلسل جاری رکھنے کے باوجود ہم آزاد ہیں۔ عدالتی نظام میں برٹش لاء کے مطابق فیصلے ہونگے تو ہم آزاد ہیں۔ پولیس کا ظالمانہ رویہ اور اس کے ذریعے ریاست گردی جاری ہے لیکن ہم آزاد ہیں۔ فرقہ واریت اور مذہبی انتہاپسندی اور قتل وغارت کا بازار گرم لیکن ہم آزاد ہیں۔ جمہوریت کی جگہ آمرانہ عسکری حکومت کا قیام لیکن ہم آزاد ہیں۔ امر واقعہ ہے کہ ان چھپن سال میں آزادی کے ثمرات اور فوائد اگر کسی نے سمیٹے ہیں تو وہ جاگیردار، سیاستدان، وڈیرے، بیوروکریٹ اور فوجی جرنیل ہیں۔ بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز ہونا آزادی کا ہی ثمرہ ہے۔ یہ آزادی ہی کا کرشمہ ہے کہ کلیدہ عہدوں پر ایسے لوگ براجمان ہیں کہ اگر متحدہ ہندوستان ہوتا تو شائد یہ لوگ ہیڈ کلرک سے آگے ترقی نہ کرپاتے۔ فوجی جرنیل بھارک بھرکم تنخواہوں کے ساتھ اس ملک کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ اور اپنی من بھاتی حکومتوں کے قیام کیلئے ہی کوشاں رہتے ہیں۔ بیوروکریٹ اور اعلیٰ افسران کا اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے گٹھ جوڑ اور منتخب حکومتوں کے خلاف سازشیں من پسند مشغلہ ہے۔ سرکاری مراعات من پسند تنخواہیں عالی شان رہائش گاہیں، آزادی کا انمول تحفہ ہیں۔ اور ریٹائرمنٹ کے بعد بے پناہ سہولیات سرکاری زمینوں کی آلاٹ منٹ اور خدمات کے اعتراف میں اعلیٰ اعزازات اور تفریح طبع کیلئے من پسند ملک کی سفارت کاری، آزاد مملکت کی بدولت ہی تو ممکن ہے۔ یہی وہ اشرافیہ کا طبقہ ہے جو آزادی کی نعمت سے لطف اندوز ہورہا ہے۔ اور تمام ثمرات خود سمیٹے اور اپنی جھولی میں ڈالے ہوئے ہیں۔ اور نسل درنسل سے بہرہ مند ہورہے ہیں۔ باقی ساری قوم آزادی کے ثمرات سے محروم ہے، انہیں آزادی کے تحفظ اور اس کی اہمیت کا درس دیا جاتا ہے۔ جو دن رات کی محنت شاقہ سے اس ملک کو بنانے، سنوارنے اور اس کی سرحدوں کے تحفظ کیلئے دولت کمارہی ہے۔ آزادی کا اولین مقصد تو یہ تھا کہ ایک ایسی ریاست کا قیام عمل میں آتا جو حقیقی معنوں میں اسلامی اور فلاحی ہوتی۔ جہاں کا ہر باشندہ اور رہائشی اس ملک کے وسائل سے مستفید ہوتا۔ اس کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوتیں اس کی لیاقت کے مطابق اس کو مقام ومرتبہ ملتا۔ وطن عزیز کی تعمیروترقی میں اس کے کردار کو تسلیم کیا جاتا۔ وہ ایک معزز شہری کا درجہ پاتا اس کے مال جان، عزت و آبرو، کے تحفظ کیلئے ریاستی وسائل بروئے کار لائے جاتے۔ اسے یہ احساس ہوتا کہ اس کی عزت وآبرو اور جان ومال بھی اتنا ہی محترم ہے جتنا یہاں یہ اشرافیہ کا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ آزادی کی روشنی ان بدنصیب لوگوں تک بھی پہنچتی جو تقسیم سے قبل بھی جاگیرداروں وڈیروں کے غلام تھے۔ آج بھی ان کی نسل غلام ہے۔ آزادی کا سورج ان لوگوں کے آنگن میں طلوع ہوتا۔ جو مدتوں سے اس لئے جاہل اور گنوار ہیں کہ تعلیم پر ان کا حق تسلیم نہیں کیا جاتا۔ آزادی کا چراغ ان کے ہاں جلتا جو اس امید پر سب کچھ لٹا کے پاکستان آئے تھے۔ کہ ان کی آرزوئیں اور تمنائیں پوری ہوں گی۔ اس بات کا اہتمام تو روز اول سے اہل اقتدار کرتے تاکہ آزادی کے ثمرات کو نچلے طبقوں تک بھی پہنچایا جاتا۔ اور ان کی محرومیاں ختم ہوتیں۔ مگر بدقسمتی سے ایسا نہ ہوسکا اور چند مخصوص طبقوں نے آزادی کو اپنی گرفت میں لے لیا اور اس کا رس چوسنے لگے باقی پوری قوم غلامانہ دور کے نظام کے تحت زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ قیام پاکستان سے لیکر اب تک حکومت سازی کا گھورکھ دھندا ہمارے سامنے ہے۔ سیاستدان برسراقتدار آتے ہیں تو لوٹ مار کا بازار گرم ہوتا ہے۔ عسکری قیادت نجات دہندہ بن کر آتی ہے تو سالوں اقتدار پر قبضہ جمائے رکھتی ہے۔ آزادی کی جس طرح ہمارے مٹ پلید ہوئی ہے شاید ہی کوئی اور ملک ان تجربات سے دوچار ہوا ہو۔ مگر پھر بھی ہم جشن آزادی پر چراغاں کرتے ہیں، جشن مین شامل ہوتے ہیں اور تجدید عہد کرتے ہیں۔ لیکن ہر سال کی طرح بدعہدی بھی کرتے ہیں۔ ہم ارباب اقتدار سے یہ گزارش کریں گے کہ آزادی کے فوائد وثمرات سے خود ہی بہرہ مند نہ ہوں بلکہ اس کے ثمرات سے پوری قوم کو فائدہ پہنچائیں۔

ضروری اعلان: پرچہ پریس میں تھا کہ 22 جولائی بروز منگل صبح 5 بجے سابق شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ پیر محمد یعقوب قریشی صاحب وفات پاگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی نماز جنازہ قبل ازظہر جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں مولانا عبداللہ امجد چھتوی صاحب نے پڑھائی۔ تفصیلات آئندہ شمارہ میں ان شاءاللہ۔ (ادارہ)